اولاد اور والدین کے باہمی حقوق

ڈاکٹر احمد عمر ہاشم

قرآنِ کریم اور سنت نبویؐ کے مطالعے سے ہمیں بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام بچوں کی صحیح تربیت و تعلیم اور انھیں انسانی معاشرے کا صالح عنصر بنانے کی بڑی تاکید کرتا ہے۔ اسلام اولاد کو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت قرار دیتا ہے۔ اس نعمت کی تمنا اور خواہش صرف عام انسانوں کو ہی نہیں ہوتی بلکہ انبیا علیہم السلام بھی اس کی تمنا کرتے رہے، اور اس کے حصول کے لیے اپنے رب سے دُعا کرتے رہے، مگر وہ ایسی اولاد کے طالب رہے جو والدین کے لیے فتنہ بننے کے بجائے اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور دُنیا کے اندر بدی اور شر میں اضافہ کرنے کے بجائے نیکی اور خیر کے پلڑے میں اپنا بوجھ ڈالنے والی ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ 'عباد الرحمٰن' (رحمٰن کے بندوں) کی صفات بیان کرتے ہوئے آخر میں فرماتا ہے کہ وہ اپنے رب سے اولاد کی درخواست اس انداز میں کرتے ہیں:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان ۲۵:۷۴) اے ہمارے رب، ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا کہ:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ (اٰل عمرٰن ۳:۳۸) یہ حال دیکھ کر زکریاؑ نے اپنے رب کو پکارا: ''پروردگار! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر۔ تو ہی دُعا سننے والا ہے''۔

اس طرح اسلام اولاد کو بلاشبہہ ایک عظیم نعمت اور فطری آرزو قرار دیتا ہے اور ساتھ ہی اولاد کی ہر گونہ حفاظت اور تربیت کا حکم دیتا ہے۔ قرآنِ کریم نے جاہلی دور کے لوگوں کے اس فعل پر سخت تنقید کی وہ بھوک کے خوف سے بچوں کو مار ڈالتے تھے، یا عار اور جھوٹی شرم کی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ درگور کردیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ج (انعام ۶:۱۵۱) ''اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمھیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے''۔

سورۂ بنی اسرائیل میں فقر وفاقہ کے محض اندیشے کی بنا پر قتلِ اولاد کی ممانعت فرمائی۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: ''یارسولؐ اللہ! کون سا گناہ سب سے زیادہ بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھیرائے۔ درآں حالانکہ اللہ تعالیٰ تجھے پیدا کرنے والا ہے۔ میں نے عرض کیا: ''اس کے بعد کون سا گناہ بڑا شمار ہوتا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''تو اپنے بچے کو اس خوف سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہوجائے گا''۔ پھر میں نے عرض کیا: ''اس کے بعد کون سا گناہ عظیم تر ہے؟'' آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ: ''تیرا اپنے ہمسایے کی بیوی سے ناجائز تعلق قائم کرنا''۔

یہ بات محتاجِ دلیل نہیں ہے کہ اسلام اوائل عمر ہی سے بچوں کو اسلامی اُمور سکھانے کی تاکید کرتا ہے، تاکہ وہ جب بڑے اور باشعور ہوجائیں تو ان کے دلوں میں خدا کا خوف جاگزیں ہو چکا ہو، اور وہ اپنے رب کی عبادت اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ذوق وشوق دل میں رکھتے ہوں۔ اِسی بنا پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشہور ارشادِ مبارک ہے کہ:

> مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ ، وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ (سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، حدیث:۴۲۳) اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو، جب کہ وہ سات سال کے ہوجائیں، اور نماز کی خاطر انھیں مارو جب وہ دس سال کے ہوجائیں اور اس عمر میں ان کے بستر بھی الگ الگ کردو۔

باپ اگر اپنے بچے کی اس طرح تربیت کرتا ہے کہ بچے کے اندر اللہ کی خشیت اور اطاعت کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے اور وہ صالح زندگی سے ہمکنار ہوجاتا ہے تو باپ کی یہ نیکی اجروثواب کے لحاظ سے دائمی نیکی بن جاتی ہے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دائمی نیکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ : صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ (صحیح ابن خزیمۃ، کتاب الزکوۃ، حدیث: ۲۳۲۳) جب انسان مرجاتا ہے تو اُس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے مگر اُس کے تین عمل باقی رہتے ہیں: صدقۂ جاریہ، یا وہ علم جس سے استفادہ کیا جارہا ہو، یا نیک اولاد جو اُس کے حق میں دُعا کرتی ہو۔

جوانی کے زمانے میں جولڑکے اچھے کام کرتے ہیں اور جن انسانی خوبیوں سے اپنی جوانی کو آراستہ کرتے ہیں دنیا کے اندر بھی وہ اُن کے اچھے نتائج سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ جوانی کے زمانے میں جونوجوان جیسا رویہ اختیار کرے گا، پیری میں اس کے ساتھ وہی برتاؤ دوسرے کریں گے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا اَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهٖ اِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ مَنْ يُكْرِمُهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ (ترمذی، کتاب الذبائح، ابواب البرّ والصّلۃ، حدیث: ۱۹۹۵) جونوجوان کسی بوڑھے کی اُس کے بڑھاپے کی وجہ سے عزت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس نوجوان کے لیے بھی کسی کو مقرر کردیتا ہے جو اُس کی اُس وقت عزت کرے گا جب وہ سن رسیدہ ہوجائے گا۔

سب سے اہم بات جسے اسلام کم عمری کے اندر بچوں میں پیدا کرنے پر زور دیتا ہے وہ راست گوئی ہے۔ یہ بڑی ناگزیر بات ہے کہ بچے سچ بولنے کی تربیت پائیں، اور اپنے گھر کے اندر، خاندان کے اندر اور دوستوں کے اندر راست گوئی کا چرچا دیکھیں۔ اس بارے میں اگر بچے اپنے سامنے اچھا نمونہ نہ پائیں گے تو راست گوئی کے عادی نہ بن سکیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ ''ایک روز میری ماں نے مجھے بلایا۔ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پاس تشریف فرما تھے۔ میری ماں نے مجھے کہا: آؤ تجھے کچھ دوں گی۔ رسولؐ اللہ نے یہ سن کر دریافت فرمایا:

تم اُسے کیا دینا چاہتی ہو؟ میری ماں نے جواب دیا کہ میں اُسے کھجور دینا چاہتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم اُسے یونہی بہلانا چاہتیں اور کچھ نہ دیتیں تو تمھارے اُوپر ایک جھوٹ کا گناہ لکھ دیا جاتا'' (ابوداؤد)۔ حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَكْرِمُوْا اَوْلَادَكُمْ وَاَحْسِنُوْا اَدَبَهُمْ (ابن ماجہ، کتاب الادب، باب برّ الوالد، حدیث: ۳۶۶۹) ''اپنی اولاد کی تکریم کرو اور انھیں اچھا ادب سکھاؤ''۔

اولاد سے محبت اور رحم دلی عین تقاضاے اسلام ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ تربیت و تادیب اور محبت و رحم دلی کے دونوں پہلو متوازن رہیں۔ ترغیب و ترہیب اور محبت و تادیب دونوں کے اثرات الگ الگ ہوتے ہیں اور متوازن اور صحت مندانہ تربیت کے لیے دونوں پہلوؤں کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کو بوسہ دیا۔ حضرت اقرع بن حابسؓ نے یہ دیکھ کر کہا: میرے دس بچے ہیں مگر میں نے اُن میں سے کسی کو آج تک بوسہ نہیں دیا۔ آں حضورؐ نے فرمایا: مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ (بخاری، کتاب الادب، حدیث: ۵۶۵۸) ''جو رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جاتا''۔

بچوں کے اندر جرأت و شجاعت اور مردانگی کی رُوح پھونکنی چاہیے اور جھوٹے قصے کہانیوں اور خرافات سے اُن کے ذہن مسموم نہ کیے جائیں اور نہ انھیں ایسی داستانیں پڑھنے کا موقع دیا جائے جو انھیں زندگی سے متنفر کر دیں۔ اُوپر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا جاچکا ہے کہ ''بچوں پر پوری توجہ رکھنی چاہیے''۔ لہٰذا، انھیں نوکروں چاکروں اور تربیت بچگان کے اداروں کے سپرد کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے۔ بچے اکثر بُرائیاں نوکروں چاکروں سے سیکھتے ہیں اور بسا اوقات یہ صورتِ حال اندوہناک حادثات پر منتج ہو جاتی ہے۔

بچیوں کے بارے میں آقاے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی تعلیمات ملتی ہیں۔ ایک بچی کی صحیح تربیت سے ایک پاکیزہ خاندان کی داغ بیل پڑتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

مَا مِنْ رَجُلٍ تُدْرِكُ لَهُ ابْنَتَانِ ، فَيُحْسِنُ اِلَيْهِمَا مَا صَحِبَتَاهُ اِلَّا اَدْخَلَتَاهُ

الْجَنَّةَ (ابن ماجہ، کتاب الادب، باب بر الوالد، حدیث: ۳۶۶۸) جس شخص کی دو بچیاں ہوں اور جب تک وہ اُس کے پاس رہیں اُن سے حُسنِ سلوک کرتا رہے تو وہ اسے جنّت میں داخل کرا دیں گی۔(دوسری روایت میں ہے کہ) دو بچیاں ہوں یا دو بہنیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: ایک مسکین عورت اپنی دو بچیوں کو ساتھ لیے میرے پاس آئی۔ میں نے اُسے تین کھجوریں دیں۔ اُس نے دونوں کو ایک ایک کھجور دے دی اور ایک کھجور اپنے منہ میں ڈالنے لگی تو بچیوں نے وہ بھی اس سے مانگ لی۔ اُس نے کھجور کے دو حصے کیے اور آدھی آدھی دونوں کو دے دی اور خود نہ کھائی۔ مجھے عورت کی یہ خصلت بہت پسند آئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَوْجَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ اَوْ اَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ (البیہقی، شعب الایمان، حدیث: ۱۰۵۴۷) ''اس ایک کھجور کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اُس عورت کے لیے جنت لازم کردی یا اُسے دوزخ سے رہائی دے دی''۔

والدین کو اولاد کے ساتھ مساوی سلوک کرنا چاہیے۔ لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کے حقوق بھی پورے کرنے چاہییں۔ وراثت میں لڑکیوں کو وہ حصہ دیا جائے جو اسلام نے ان کے لیے مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ (النساء ۴:۱۱) ''اولاد کے بارے میں اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے۔ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے''۔

عام معاملات میں اولاد کے ساتھ مساوی سلوک کی جو تاکید اسلام کرتا ہے اس کی ایک مثال یہ ہے: حضرت نعمان بن بشیرؓ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد بشیر نے مجھے اپنے مال میں سے کچھ عطیہ دیا۔ میری ماں عمرة بنت رواحہ کہنے لگیں: ''میں اس عطیے پر اس وقت تک راضی نہ ہوں گی جب تک آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ کر لیا جائے''۔ میرے والد نے آپؐ سے درخواست کی۔ آپؐ اس عطیے کے گواہ رہیں۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا نعمان کے اور بھی بھائی ہیں؟'' میرے والد نے جواب دیا: ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا ان میں سے ہر ایک کو اتنا عطیہ دیا ہے؟'' میرے والد نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر یہ بات درست نہیں ہے۔ اس عطیے کو واپس لو۔ میں صرف

حق بات کا گواہ بن سکتا ہوں۔ مجھے ظلم پر گواہ مت بناؤ۔ میرے سوا کسی اور سے ایسی گواہی لو، اللہ سے ڈرو، اور اپنی اولاد کے ساتھ عدل کرو۔ تیری اولاد کا یہ تجھ پر حق ہے کہ تو ان کے مابین عدل وانصاف سے کام لے۔ جیسا کہ ان کا فرض ہے کہ وہ تیرے ساتھ مساوی حسنِ سلوک کریں۔ کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ وہ تیرے ساتھ مساوی حسنِ سلوک کریں"؟ اس نے جواب دیا: "بے شک"۔ آپؐ نے فرمایا: "تو پھر عطیات میں ناانصافی نہیں چل سکتی"۔ آپؐ نے حکم دیا کہ یہ عطیہ واپس لیا جائے (بخاری اور دوسری احادیث میں یہ روایت الفاظ کے اختلاف کے ساتھ مروی ہے)۔

دوسری طرف اسلام اولاد کو بھی یہ تعلیم دیتا ہے کہ والدین سے حُسنِ سلوک کریں اور ان کے مرتبے اور مقام کا لحاظ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۳-۲۴) تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمھارے پاس ان میں سے کوئی ایک، یا دونوں، بوڑھے ہو کر رہیں تو انھیں اُف تک نہ کہو۔ نہ انھیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کرو کہ پروردگار اُن پر رحم فرما جس طرح انھوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔

ماں چوں کہ بچے کی پیدایش اور تربیت میں نسبتاً زیادہ تکالیف اُٹھاتی ہے اس لیے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کی خدمت اور دیکھ بھال کی زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ یہ روایت سب لوگ جانتے ہیں کہ اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ (مسند الشہاب القضاعی، حدیث: ۱۱۳) "جنت ماں کے پاؤں کے نیچے ہے"۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور اس نے سوال کیا کہ یا رسولؐ اللہ! (اے اللہ کے رسولؐ، میری حُسنِ معاشرت کا کون

انسان سب سے زیادہ مستحق ہے؟۔آپؐ نے فرمایا: ''تیری ماں۔ اس نے دریافت کیا: پھر؟ آپؐ نے فرمایا: 'تیری ماں'۔ اس نے پوچھا: پھر؟ آپؐ نے فرمایا: 'تیری ماں'۔ چوتھی مرتبہ اس نے یہی سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: 'تیرا باپ'۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''خاک آلود ہو اس کی ناک، خاک آلود ہو اس کی ناک، خاک آلود ہو اس کی ناک جس نے اپنے والدین کو یا دونوں میں سے کسی کو بڑھاپے میں پایا اور پھر وہ جنت میں داخل نہ ہو''۔

ایک شخص آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی۔ آپؐ نے فرمایا: ''کیا تمھارے والدین موجود ہیں؟'' اس نے کہا: جی ہاں۔ آپؐ فرمایا: ''انھی کی خدمت میں رہ کر جہاد کرو''۔

ایک اور آدمی نے آپؐ سے عرض کیا: کیا والدین کی موت کے بعد بھی کوئی نیکی ہے جو ان کے حق میں کرسکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں، ان کے حق میں دعا کرنا، ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرنا، اور ان کے بعد ان سے کیے ہوئے عہد کو نافذ کرنا، اور ان کے ذریعے جو صلہ رحمی کی جاتی تھی وہ صلہ رحمی کرنا، اور ان کے دوستوں کی عزت افزائی کرنا''۔

موجودہ دور میں بیٹے اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور وسعتِ ظرف سے پیش نہیں آتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کے درمیان روحانی اقدار کے بجاے مادّی اقدار کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور بیٹے کے لیے دولت دنیا اس قدر عزیز ہو جاتی ہے کہ وہ بسا اوقات والدین کے حقوق پامال کر جاتا ہے، مگر اس سلسلے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بالکل مختلف ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنے والد کے بارے میں آکر جھگڑا کرنے لگا کہ میرے والد کے ذمے میرا قرض ہے مگر وہ اس کو ادا نہیں کر رہا ہے۔ آپؐ نے اسے نصیحت فرمائی: اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ (ابن ماجۃ، کتاب التجارات، حدیث: ۲۲۸۸) ''تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کی مِلک ہیں''۔

اس نصیحت میں آپؐ نے اس آدمی کو فوراً اس کا یہ مقام یاد دلا دیا کہ تو جس انسان کے

بارے میں قرض نہ دینے کی شکایت کر رہا ہے وہ عام انسان نہیں ہے۔ وہ تیرا باپ ہے۔ اس نے تمھیں پالا پوسا اور تمھیں اس قابل بنایا کہ زندگی کے کارزار میں اپنے لیے راستے ہموار کرو۔ اس لیے تمھارا مال جس کی ملکیت کا تم دعویٰ کر رہے ہو بالواسطہ تمھارے باپ کی ملکیت ہے۔ تم اپنے باپ کا ایک جزو ہو اور بالتبع تمھاری ہر چیز تمھارے باپ کے زیر تصرف ہے۔

ایک اور روایت کے اندر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید واضح فرمایا کہ اولاد کو اپنے والدین کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ ابوداؤ اور ابن ماجہ میں مروی ہے کہ ایک آدمی آں حضوؐر سے آ کر کہنے لگا: میرے پاس کچھ مال ہے اور میرا باپ میرے مال کا بڑا حاجت مند ہے۔ میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اَنْتَ وَمَالُكَ لِوَالِدِكَ (تو اور تیرا مال دونوں والد کے لیے ہو)۔ آپؐ نے اسے یہ تلقین کرنے کے بعد والدین کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ: اِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ اَطْيَبِ كَسْبِكُمْ فَكُلُوْا مِنْ كَسْبِ اَوْلَادِكُمْ (ابوداؤد، کتاب البیوع، حدیث: ۳۰۸۰) ''تمھاری اولاد تمھاری بہترین کمائی ہے۔ تم اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ''۔

یہ تو عام معاملات اور لین دین کی بات تھی۔ لیکن جس طرح باپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اولاد کی صحیح تربیت کرے، اسے دین کا رسیا اور اخلاق کا کھرا انسان بنائے، اسی طرح بالغ اور باشعور اولاد پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اگر اس کے والدین دین میں کمزور ہوں تو وہ انھیں دین کا پابند ہونے کی نصیحت کرے۔ اور خوش اسلوبی اور نرم گفتاری سے انھیں دین کی طرف راغب کرے، اور دین کا کام کرنے والوں سے انھیں تعاون کا مشورہ دے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کو آخر وقت تک ایمان کی دعوت دیتے رہے۔

وہ گھرانا بڑا خوش قسمت اور گہوارۂ سعادت ہوتا ہے جہاں والدین بھی دین کے پابند ہوں اور اولاد بھی ان کے نقشِ قدم پر چل رہی ہو۔ لیکن اگر دونوں میں اختلاف ہو تو زندگی گھریلو سکون سے ناآشنا ہو جاتی ہے۔ اگر والدین دین کی اتباع نہ کریں تو پھر اولاد کا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ دنیا کے معاملات میں اولاد معروف طریقے سے والدین کا ساتھ دیتی رہے، مگر ان کی کسی ایسی بات کو قبول کرنے سے صاف معذرت کر دے جو خدا اور رسولؐ کے احکام کے خلاف اور دین کے بنیادی تقاضوں کے منافی ہو

۱-

۲-

۳-

۴-

۵-